کارخانہ کا چکّر

مائل خیرآبادی

کارخانہ کا چکّر

ہم بچوں کو کہانی سننے کا شوق ہوتا ہی ہے۔ مگر چندا چاچا کو کہانی کہنے کا بھی بڑا شوق ہے۔ شام ہوئی، کھانا کھایا، چارپائی پر پہنچے، کہ بس پکار مچانے لگے۔ ''ارے سدّو میاں! حقّہ بھر لاؤ بیٹے۔ اری ثرّو! پان تو لا بیٹی۔ او اَنّو بی! ذرا پانی تو پلانا بھئی۔ اور اے صفّو بی! تم خلال کرنے کو کوئی تنکا لیتی آنا۔''

اسی طرح ایک ایک کا نام لیتے، اور جو پاس آتا، اُسے وہیں بٹھا لیتے۔ اب اگر امی جان، چاہے ابو میاں، کوئی لاکھ پکارتا۔ چاچا میاں ہم کو نہ چھوڑتے۔ ہمارے بدلے امی جان اور ابو میاں کو خود ہی جواب دے دیتے۔ ''ارے کیا ہے کیا؟ کیوں بچوں کی پکار پڑی ہے؟ دن بھر کے تھکے ہارے اب ذرا بیٹھے ہیں غریب کہ آپ لوگوں نے ناک میں دَم کر دیا۔ اس وقت کوئی نہیں آئے گا۔ اب میں انہیں اللہ رسول کی باتیں بتاؤں گا۔''

چاچا میاں اس طرح کہتے، اور امی جان یا ابو میاں چاچا کی باتیں سن کر مسکرا دیتے اور چپ ہو جاتے۔

ہم بچوں کو کہانی سننے کا شوق تو ہوتا ہی ہے۔ مگر کبھی کبھی ہم سب خوب بنتے یا چاچا میاں کو بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم چاچا سے کہتے، آج کہانی سننے کو جی نہیں چاہتا۔ آج کچھ اور باتیں کیجئے۔ مگر چاچا جواب دیتے۔ ''بے وقوفی کی باتیں مت کرو، آج ایسی کہانی سناؤں کہ یاد کرو، وہ مزا آئے کہ برسوں نہ بھولو، اور پھر ہم دھیان دیں یا نہ دیں۔ چاچا اپنے آپ کہانی شروع کر دیتے کہ ''ایک تھا بادشاہ ہمارا تمہارا خدا بادشاہ۔''

آج چاچا میاں نے ''ہمارا تمہارا بادشاہ'' شروع کیا تو سدّو میاں بولے۔ ''چاچا میاں! بادشاہ وادشاہ کی کہانیاں تو آپ روز ہی سناتے ہیں۔ آج کوئی ایسی کہانی سنایئے جس میں یہ نصیحت ہو کہ اسے سن کر یہ جو ہیں نا! ہماری چھوٹی بجیا انّو بی! بڑی سست تو یہ محنتی بن جائیں۔''

سدّو میاں سے یہ سنا تو انّو چمک کر بولی۔ ''میں کیوں سست ہوں، آپ خود کام چور ہیں۔ روز مدرسے دیر کر کے جاتے ہیں۔'' اور پھر سدّو میاں اور انّو میں نوک جھونک ہونے لگی۔

یہ دیکھا تو چاچا میاں نے کہا۔ ''چاہے سدّو میاں سست ہوں چاہے انّو بی اور چاہے کوئی اور۔ لو ایسی کہانی سناؤں کہ جو سنے اس سے نصیحت حاصل کرے۔''

یہ کہہ کر چاچا میاں نے ہمارے جواب کا راستہ نہ دیکھا۔ جھٹ کہانی شروع کر دی۔ ''اچھا بھئی، تو کارخانے کے مالک نے ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ کارخانے میں کام کرنے کے لئے ایسے بچوں کی ضرورت ہے جو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں۔ اور ان کی عمر ۱۴ سال سے کم اور ۱۷ سال سے زیادہ نہ ہو۔''

چاچا میاں نے اتنا ہی کہا تھا کہ ثرّو بولی۔ ''ارے ارے چاچا میاں! آج آپ کہانی کس طرح کہنے لگے؟ یہ تو بتایئے کہ کارخانہ کیسا تھا، اور کارخانے کا مالک کون تھا؟ وہ لڑکوں ہی کو کام پر کیوں لگانا چاہتا تھا؟''

چاچا میاں نے کہا۔ ''اچھا...... یوں...... اچھا لو سنو! ایک تھا سیٹھ۔ اس نے ایک ایسا کارخانہ کھولنے کا ارادہ کیا جس میں چھوٹے بچوں کے لئے طرح طرح کی مٹھائیاں بن سکیں۔ لیکن سیٹھ تھا بڑا سمجھ دار آدمی۔ وہ جانتا تھا کہ لڑکے کم اُجرت پر کام کے لئے مل جائیں گے۔ اور پھر وہ سیٹھ یہ بھی چاہتا تھا کہ لڑکے نوکری چاکری کے دھندوں اور پھندوں میں نہ پھنسیں۔ کام کاج اور ہنر سیکھیں اور بڑے ہو کر کوئی اچھا سا دھندہ کر سکیں۔ نوکری میں تو بس گنی بوٹی نپا شوربہ۔ پھر نوکری میں اگر ہاں حضوری نہ کرو تو نکال دیئے جاؤ۔''

''بڑا اچھا تھا سیٹھ!'' سدّو میاں بیچ میں بول دیئے۔

''اور لڑکوں پر کیسا پیارا تھا؟'' ثرّو نے بھی اپنا خیال ظاہر کیا۔

''مگر تھا بڑا اسیانا۔'' انّو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''ارے چپ بھی رہو۔ سنو تو پھر کیا ہوا۔'' صفو نے سب کو ڈانٹا۔

چاچا میاں ذرا کی ذرا چپ ہوئے۔ پھر کسی کی بات کا کچھ جواب دیئے بغیر کہانی شروع کر دی۔ ''اچھا تو سیٹھ نے ڈھنڈورا پٹوا دیا۔ شہر شہر گاؤں گاؤں، مٹھائی کے کارخانے کی باتیں ہونے لگیں۔ چاروں طرف سے لڑکے سیٹھ کے پاس پہنچنے لگے۔ اتنے لڑکے اتنے لڑکے کہ بس لڑکے ہی لڑکے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے زمین سے لڑکے اُبل رہے ہیں۔ اور سیٹھ کے بنگلے کے سامنے اَن گنت لڑکوں کو دیکھ کر ایسا جان پڑتا تھا کہ جیسے لڑکوں کا ایک میلہ لگا ہوا ہے۔

شرط

سیٹھ نے لڑکوں کی بڑی خاطر کی۔ سب کو اس نے مٹھائیاں کھلائیں۔ جو وہ کارخانے میں تیار کرانا چاہتا تھا۔ یہ مٹھائیاں سیٹھ نے نمونے کے طور پر ولایت سے تازہ تازہ منگائی تھیں۔ مٹھائی کھلانے کے بعد سیٹھ نے کہا۔ ''کہو بچو! کیسی مزے کی ہیں یہ مٹھائیاں؟ بھئی، یہی مٹھائیاں میں اپنے کارخانے میں بنواؤں گا۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم ایک طرف بناتے جاؤ، اور دوسری طرف

مزے لے لے کر کھاتے جاؤ تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ مجھے کیا پتہ کہ کس نے کتنی مٹھائی کھالی۔ میں تو ہر وقت تو کارخانے میں رہوں گا نہیں۔ پھر ہر ایک کو ہر وقت دیکھتے رہنا میرے بس کی بات نہیں۔ اس لئے مجھے ایسے لڑکوں کی ضرورت ہے جو محنتی بھی ہوں اور دیانت دار بھی۔''

''کیا ہوا محنتی اور......؟'' انّو نے کہانی سنتے سنتے سوال کیا۔

''اُونھ، تم ٹُب سے بولے بغیر نہیں رہتیں۔'' ثرّو نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ ''کہانی سننے نہیں دیتیں!''

چاچا میاں نے بتایا تو ''دیانت دار ہوں دیانت دار!''

''ارے بھنو!'' اب صفو بی سمجھانے لگیں۔ ''دیانت دار اسے کہتے ہیں کہ جیسے کسی کو کوئی چیز دی جائے اور کہا جائے کہ اسے رکھ لو پھر جب اسے مانگیں تو وہ ویسی کی ویسی واپس کر دی جائے۔ خرچ نہ کر ڈالی جائے۔ سمجھیں!''

''ہاں سمجھی میں، کنجوس کو کہتے ہیں نا؟ جیسے یہ ہیں ہمارے سدّو میاں۔'' انّو نے بھولے پن سے کہا۔ اور سدّو میاں نے غصے ہو کر اس کا منہ نوچ لیا۔ بولے۔ ''کنجوس آپ سے زیادہ کون ہے؟ امی جان کوئی چیز آپ کو دیتی ہیں تو بس کنجوسی کے مارے رکھے رہتی ہیں کھا نہیں سکتیں آپ۔ چیونٹے ہی چاٹ جاتے ہیں۔'' ''اور وہ چیونٹا ایک آپ ہیں۔'' انّو نے بھی غصے کے

ساتھ جواب دیا۔

ان کی چھپّر جھاڑ ہونے لگی تو پھر صفو بی نے ڈانٹا۔ ''اچھا ٹھیک طرح سے کہانی سننا ہو تو سنو، نہیں تو بھاگو یہاں سے۔''

صفو بی کی دھمکی سن کر دونوں چپ ہوئے، اور چاچا نے آگے کی کہانی سنانی شروع کر دی۔ ''تو پھر سیٹھ نے لڑکوں سے کہا۔ ''بھئی! میں سب لڑکوں کی جانچ کروں گا۔ جو لڑکا میری جانچ میں ٹھیک ہوگا، اسی کو کارخانہ میں کام پر لگاؤں گا۔''

یہ جو سیٹھ نے کہا تو سارے لڑکے بول اٹھے۔ ''ہم سب امتحان دینے کے لئے تیار ہیں۔'' سیٹھ نے لڑکوں کو تیار دیکھا تو بولا۔ ''اگر آپ لوگ امتحان کے لئے تیار ہیں تو سنئے۔ یہاں سے بارہ کوس اُتّر کی طرف ایک نیا نیا گاؤں بنایا گیا ہے۔ اس گاؤں کا نام ''محنت پور'' ہے۔ محنت پور میں ایک حکیم صاحب ہیں، ان کا نام حکمت اللہ صاحب ہے۔ جو لڑکا محنت پور جا کر حکیم صاحب سے اپنی ایمان داری اور محنتی ہونے کی سند لے آئے گا۔ میں اُسے کام پر لگا لوں گا۔''

سیٹھ یہ کہہ کر چپ ہو گیا۔ نکھٹّو لڑکوں نے تو اسی جگہ ہمت ہار دی۔ آپس میں کھُسر پھُسر کرنے لگے۔ ''اجی کون جائے محنت پور۔ نہ جانے حکیم ہمارے بارے میں ایماندار اور محنتی لکھ کر دے۔ یا انکار کر دے۔ تو بے کار میں پریشان ہوں، چلو جی کھیلیں چل کے گلّی ڈنڈا۔'' لیکن کچھ لڑکوں نے ان نکھٹّو لڑکوں کی

بات نہ سنی، اور وہ محنت پور کی طرف چل دیئے۔

اتنا کہہ کر چاچا میاں نے سدّو میاں کی طرف دیکھا، وہ انّو کی طرف منھ بنا رہے تھے۔ چاچا میاں نے ٹوکا۔ ''سدّو میاں! یہ کیا؟'' سدّو میاں بولے۔ ''کچھ نہیں چاچا میاں! آپ پان کے لئے چھوٹی بجیا کو پکارتے رہتے ہیں، اور یہ اٹھ کر نہیں دیتیں ہیں۔ یہ نکھٹّو؟''

سدّو میاں سے یہ سن کر انّو کچھ کہنے ہی والی تھی کہ چاچا میاں نے خود جواب دے دیا۔ ''نہیں بھئی! انّو تو جھٹ پان لا کر مجھے دیتی ہے۔ اچھا بھئی خاموش رہو۔ کہانی سنو آگے کیا ہوا؟

''ہاں چاچا میاں! پھر کیا ہوا؟'' ہم سب نے کہا۔ اور چاچا میاں پھر کہانی کہنے لگے۔ ''پھر ہوا یہ کہ جو لڑکا محنت پور گیا۔ وہاں سے پلٹ کر نہ آیا۔''

''ارے کیوں کیا ہوا ان سب کو وہاں؟'' ہم سب نے ایک ساتھ چاچا میاں سے پوچھا۔ انھوں نے کہا۔ ''سنے جاؤ کہانی۔ اخباروں میں چھپا کہ جو لڑکا محنت پور جاتا ہے تو وہاں کے لوگ اسے مرغا بنا دیتے ہیں۔'' ''ایں کیا مرغا؟'' اب تو انّو کو مزا آ گیا۔ سدّو میاں کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور پھر بولی۔ ''اہا مرغا ککڑوں کوں...... بدھ کے دن...... ملا جی نے...... واہ بھئی وا...... الف خالی ب کے نیچے ایک نقطہ۔ ت کے اوپر دو نقطے۔''

یہ پتے کی بات اس وقت جوانّو نے کہی تو سب ہنس پڑے۔ سدّو میاں بہت شرمائے۔ ان سے جواب تو کچھ بن نہ پڑا۔ بس غصے میں انّو کی چُٹیا پکڑ کر جھٹک دی۔ انّو چیخی۔ ''ارے مری میں۔'' آخر چاچا میاں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ اور پھر کہانی سنانے ہی والے تھے کہ صفو بی نے پوچھا۔ ''تو پھر مٹھائی کا کارخانہ چالو ہوا یا نہیں؟'' چاچا میاں نے بتایا کہ ''نور پور کے ایک لڑکے امانت اللہ کی بدولت۔''

''اچھا......! تو محنت پور والوں نے اسے مرغا نہیں بنایا؟'' ہم سب نے ایک ساتھ سوال کیا۔ چاچا میاں نے کہا۔ ''بھئی بیچ بیچ میں زیادہ سوال نہ کرو نہیں تو رات بھر میں کہانی ختم نہ ہوگی۔ اور کہانی کہنے میں بار بار رُکنا پڑتا ہے تو مزہ بھی کرکرا ہو جاتا ہے۔ بس اب نہ بولنا۔ چپکے سنو۔ آگے بڑے مزے کی ہے کہانی۔''

محنت پور

''اچھا تو نور پور میں بھی کارخانے والی بات پہنچی۔ وہاں سے سب سے پہلے دیانت اللہ صاحب کا اکلوتا بیٹا امانت اللہ محنت پور کی طرف چلا۔ لوگوں نے

اُسے ڈرایا کہ وہاں کے لوگ لڑکوں کو مرغا بنا دیتے ہیں۔ مگر امانت اللہ ڈرا نہیں۔ اس کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ اور وہ اسلامی درس گاہ سے نیا نیا پاس ہو کر آیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''بھائی! ڈر تو بس اللہ کا۔ ان لڑکوں نے کوئی خطا کی ہو گی تبھی تو مرغا بنا دیئے گئے ہوں گے۔ میں اللہ کے بھروسے پر محنت پور ضرور جاؤں گا۔''
اور پھر دوسرے دن سچ مچ امانت اللہ محنت پور کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ صبح سویرے، منہ اندھیرے ہی گھر سے چل کھڑا ہوا۔ وہ راستے میں ستایا نہیں۔ بس چلتا ہی رہا۔ چلتے چلتے گھنٹہ دو گھنٹہ دن چڑھے وہ محنت پور گاؤں کے قریب پہنچ گیا۔ دیکھا تو گاؤں کے آس پاس چار دیواری بنی ہوئی ہے۔ اس نے سوچا گاؤں کے اندر جانے کا راستہ کہیں نہ کہیں ہو گا ضرور۔ وہ اِدھر اُدھر پھر کے دروازہ تلاش کرنے لگا۔ آخر اسے دروازہ مل گیا۔ دروازے پر ایک طرف ایک سنتری کھڑا تھا، اور دوسری طرف ایک نقارہ رکھا تھا۔ جس کی چوب نقارے پر ہی رکھی تھی۔ وہیں ایک طرف بہت سے لڑکوں کو مرغا بنے دیکھا۔ اُسے بڑا تعجب ہوا۔ سنتری کے پاس گیا۔ السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے۔ سنتری امانت اللہ کے ادب اور قاعدے سے بہت خوش ہوا۔ سلام کا جواب دے کر مصافحہ کیا، اور بولا۔ ''اے نیک لڑکے! تمہارا آنا

مبارک! تم بہت اچھے لڑکے ہو دیکھو، ایک یہ سب ہیں (سنتری نے مرغوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ان میں سے ایک نے بھی تو سلام نہیں کیا۔ نقارہ اور چوب رکھے دیکھا تو سمجھے کوئی کھیل ہے۔ بس بڑھے اور بے پوچھے گچھے بھڑ بھڑ بھڑ بھڑ بے تحاشا نقارہ بجانے لگے۔ اس بدتمیزی پر انھیں مرغا بنا دیا گیا۔

بھلا یہ بھی کوئی قاعدہ ہے؟ ان کو ادب سکھانے کے لئے حکیم صاحب کے حکم سے مرغا بنا دیا گیا ہے۔ اب جب حکیم صاحب حکم دیں گے تب ہی یہ لڑکے اس سزا سے چھوٹیں گے۔"

اچھا تو امام صاحب سے یہ سن کر امانت اللہ نے کہا۔ "امام صاحب! مجھے میرے استاد نے مسجد کے سارے آداب سکھا دیئے ہیں۔ اب آپ سے ایک عرض ہے، مہربانی کر کے آپ مجھے حکیم صاحب کا پتہ بتا دیں۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔"

یہ سن کر امام صاحب امانت اللہ کو سمجھانے لگے۔ "میاں صاحب زادے! حکیم صاحب سے ملنے کے لئے تم کو بڑی مشقت جھیلنا پڑے گی۔ تم دبلے پتلے اور کم عمر لڑکے ہو۔ تم راستے کی مشکلیں برداشت نہ کر سکو گے۔ بہت دن ہوئے کچھ لڑکے حکیم سے ملنے گئے۔ لیکن وہ کسی مصیبت میں پھنس گئے۔ تم میرا کہا

مانو، تمہاری باتیں سن کر مجھے تم پر پیار آتا ہے۔ آؤ میں تم کو اس مسجد کا مؤذن بنا دوں۔ بس مزے سے پانچوں وقت اذان دیا کرو۔ آرام سے روٹی کھاتے رہو گے۔ تم کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

روٹی کپڑے کا نام سنا تو امانت اللہ نے امام صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "جناب! روٹی کپڑے کی محتاجی تو مجھے گھر پر بھی نہ تھی۔ پھر میرا عقیدہ اور ایمان ہے کہ اللہ رازق ہے، اس نے ساری مخلوق کو روزی دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ مجھے بھی روزی دے گا۔ اب یہ بندے کی کوشش اور دوڑ دھوپ پر ہے کہ وہ کس طریقے سے لینا چاہتا ہے۔ تو میرا ارادہ ہے کہ میں مٹھائی کے کارخانہ میں کام کر کے روزی کماؤں۔ آپ مہربانی کر کے حکیم صاحب کا اتہ پتہ مجھے بتا دیں۔ حکیم صاحب کی سند کے بغیر کارخانے کا سیٹھ کسی کو کارخانے میں دھنسنے نہیں دے گا۔"

یہ سن کر امام صاحب نے کہا۔ "بیٹے! تم بہت سمجھدار ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم حکیم صاحب تک ضرور پہنچو گے۔ اچھا اب تم محلّہ مساوات پور چلے جاؤ۔ اس محلے کے چودھری شیخ کرم الٰہی ہیں، ان سے جا کر ملو۔ اگر وہ چاہیں گے تو تم حکیم صاحب تک پہنچ جاؤ گے۔

اچھا خدا حافظ۔ السلام علیکم

مساوات پور

مساوات پور کا اَتہ پتہ پوچھ کر امانت اللہ اُدھر کو چلا۔ اس محلے میں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ یہاں ہر قسم کا کام ہوتا ہے اور بڑے بڑے لوگوں کے لڑکے یہاں کام سیکھ رہے ہیں۔ کوئی بڑھئی کا کام سیکھ رہا ہے، تو کوئی لوہاری کا۔ کوئی چمڑے کا کام تو کوئی کپڑا بُننے کا۔ کوئی سلائی کا کام، تو کوئی موچی کا کام۔ مطلب یہ کہ ہر قسم کے پیشے وہاں ہو رہے تھے۔ سب محنت سے کام کر رہے تھے، اور کوئی کسی پیشے سے شرماتا نہیں تھا۔ نہ کسی کو چھوٹائی بڑائی کا خیال۔ امانت اللہ ان لوگوں کی محنت اور کام کی لگن دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے ایک لڑکے سے چودھری شیخ کرم الٰہی کا پتہ پوچھا۔ لڑکے نے پہلے غور سے امانت اللہ کو دیکھا، اور پھر ساتھ ہو لیا اور چودھری صاحب کے گھر پہنچا دیا، اور پھر اپنے کام کو چلا گیا۔

چودھری شیخ کرم الٰہی صاحب اس وقت بیٹھے اپنی پرانی جوتیاں اپنے ہاتھوں سے گانٹھ رہے تھے۔ سُتاری لئے کچھ ٹانکے لگا رہے تھے کہ امانت اللہ پہنچا۔ سلام کیا، اور ایک طرف قاعدے سے بیٹھ گیا۔ شیخ صاحب نے نظر اوپر

اٹھائی سلام کا جواب دیا۔ پھر سُتاری رکھ کر مصافحہ کیا۔ پھر اُٹھ کر گھر میں گئے وہاں سے ستّو لئے ہوئے واپس آئے۔ امانت اللہ سے کہنے لگے۔ ''آپ مسافر معلوم ہوتے ہیں۔ آپ تھک بھی گئے ہوں گے، بھوکے پیاسے بھی ہوں گے۔ لیجئے یہ ستّو پی لیجئے، پھر آپ جہاں جانا چاہیں گے، آرام سے پہنچا دیا جائے گا۔''

امانت اللہ اس وقت سچ مچ بھوکا تھا۔ اس نے بڑے شوق سے ستّو پیا۔ اس کے بعد شیخ صاحب کے پوچھنے پر حکیم صاحب سے ملنے کی بات کہی۔ یہ سنا تو شیخ صاحب نے بھی سمجھایا کہ حکیم صاحب سے ملنے کا ارادہ چھوڑ دے۔ ان سے ملنے کے لئے جان بڑی جوکھم میں ڈالنا ہوگی۔ لیکن جب امانت اللہ نے اصرار کیا تو شیخ صاحب بولے۔ ''اچھی بات ہے۔ تو لیجئے میاں، ذرا یہ میرا چمڑے اور اوزاروں کا بکس اٹھا لیجئے۔ اور باہر تک پہنچا دیجئے۔ بازار ہی سے حکیم صاحب کے گھر کو جانے کا راستہ بتا دوں گا۔''

یہ سننا تھا کہ امانت اللہ نے جھٹ بکس اٹھا لیا۔ اپنے سر پر رکھا۔ بکس بڑا وزنی تھا۔ لیکن امانت اللہ نے پروانہ کی۔ لے کر چلا۔ راستے میں اس نے بہت سے لڑکوں کو مرغا بنے دیکھا۔ شیخ صاحب نے بتایا کہ یہ بھی حکیم صاحب سے ملنے یہاں تک آئے۔ لیکن جب میں نے ان سے کہا۔ کہ یہ بازار تک پہنچا دو تو

بولے۔ ''ہم کوئی مزدور تو ہیں نہیں۔ ہم تو نہیں لے جاتے بکس۔''

اس طرح کی باتیں سنیں تو مجھے بڑا بُرا لگا۔ بھلا سوچنے کی بات ہے۔ نبیوں نے کیسے کیسے پیشے کئے ہیں۔ کسی نے کھیتی کا کام کیا ہے، کسی نے بکریاں چرائی ہیں۔ کوئی زرہ بناتا تھا۔ کوئی کپڑا بُننے کا کام کرتا تھا۔ اسی طرح پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکریاں چرائیں۔ آپؐ اپنے جوتے بھی اپنے ہاتھوں گانٹھ لیتے تھے۔ آپؐ کے صحابہؓ نے ہر طرح کے کام کئے ہیں۔ اور پھر آخر میں ہمارے اماموں میں سے کوئی درزی تھا، کوئی بڑھئی، کوئی پارچہ باف، کوئی کچھ، کوئی کچھ۔ بلکہ پیشے اور تجارت کی اسلام میں بڑی تعریف کی گئی ہے۔ تو میاں امانت اللہ! ان بے وقوفوں نے ایسی باتیں کیں تو مجھے ایسا لگا کہ انھوں نے ہمارے بزرگوں کی عزت پر حملہ کیا۔ بس میں نے حکیم صاحب کے حکم سے سب کو مرغا بنا دیا۔ ذرا یہ سزا بھگت لیں، پھر جیسا حکیم صاحب کا حکم ہوگا ویسا سلوک ان کے ساتھ کیا جائے گا۔ اچھا بھائی! تم ہمارے امتحان میں پورے اُترے۔ اب تم ''کام باغ'' چلے جاؤ۔ باغبان سے ملو۔ اللہ نے چاہا تو تم وہاں بھی جانچ میں پورے اُترو گے۔ پھر باغبان تم کو حکیم صاحب تک پہنچا دے گا۔

اچھا خدا حافظ۔ السلام علیکم۔

کام باغ

سلام کر کے شیخ صاحب نے امانت اللہ سے اپنا بکس لے لیا۔ ایک راستے کی طرف اشارہ کیا کہ ادھر چلے جاؤ۔ سامنے ''کام باغ'' ملے گا۔ شیخ صاحب کا اشارہ پاتے ہی امانت اللہ اس راستے پر ہولیا۔ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ''کام باغ'' کے درخت اسے نظر آنے لگے۔ اس نے دیکھا کہ نہایت ہرا بھرا، لہلہاتا اور پھل دار باغ ہے۔ طرح طرح کے رنگ دار اور رسیلے پھل لدے پڑے ہیں۔ امانت اللہ اس باغ کے اندر گیا۔ بہت سے لوگ اس میں کام کر رہے تھے۔ ان سے باغبان کا پتہ پوچھا۔ اور پھر جا کر ان سے ملا۔ اس وقت باغبان صاحب ایک تازہ ''قلم'' باندھ رہے تھے۔ امانت اللہ نے جا کر سلام کیا۔ تو اس کی طرف دیکھا، پھر خود ہی کہنے لگے۔ ''شاید آپ حکیم صاحب سے ملنا چاہتے ہیں؟ اچھا، اچھا۔ ذرا میں یہ ''قلم'' باندھ لوں، نہیں تو خراب ہو جائے گی۔ ابھی ابھی تازہ تراش کر لایا ہوں۔ اتنی دیر میں آپ ایسا کریں کہ ذرا وہ کدال اٹھا لیں، اور دیکھئے وہ جو پھل اور میوے رکھے ہیں نا! اس میں سے جو جی چاہے اور جتنا جی چاہے لے لیں، اور کھائیں، اور کدال لئے ہوئے اس شہتوت کے نیچے جائیں۔ اور وہاں سوا گز لمبی، سوا گز چوڑی، سوا گز گہری جگہ کھودیں، اور

اس میں سے جو نکلے لے کر آ جائیں۔ اتنی دیر میں میں فرصت پا جاؤں گا۔ پھر آپ کو حکیم صاحب تک پہنچا دوں گا۔"

امانت اللہ نے یہ سنتے ہی کُدال اٹھا لی، اور بولا۔ "باغبان صاحب! مساوات پور میں پیٹ بھر کے ستّو، کھا پی چکا ہوں، اس وقت کچھ کھانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ آپ کے کہنے سے دو سنترے لئے لیتا ہوں، بس یہ کافی ہے۔"

اور یہ کہہ کر امانت اللہ نے دو سنترے لے لئے۔ انھیں چھیلا اور کھایا۔ جی خوش بلکہ بحال ہو گیا۔ باغبان غور سے دیکھتا رہا۔

اب وہ شہتوت کے پیڑ کے نیچے پہنچا۔ دیکھا تو بڑی سخت زمین ہے۔ مگر وہ ہمت نہ ہارا۔ سوا گز لمبی، چوڑی زمین ناپ کر کھودنے لگا۔ ایسی سخت زمین تھی کہ کدال اُچٹ اُچٹ جاتی۔ لیکن وہ جٹا رہا۔ بڑی محنت کر کے اس نے زمین کے اوپر کی تہہ توڑ ہی لی۔ نیچے نرم زمین ملی۔ پھر کیا تھا۔ چٹ پٹ کھود کھاد کر الگ کیا۔ اندر سے لوہے کی ایک صندوقچی نکلی۔"

"اور صندوقچی میں کیا نکلا؟" ثرّو بی نے چاچا سے پوچھا۔ چاچا میاں نے کہا۔ "سنتے جاؤ۔ صندوقچی لئے وہ باغبان کے پاس آیا۔ صندوقچی دیکھ کر باغبان بہت خوش ہوا۔ اس نے امانت اللہ کو مبارک باد دی۔ اور کہا۔ "بس بھائی! تمہارا

ایک امتحان اور باقی ہے۔ اللہ نے چاہا تو تم آگے بھی پورے اُترو گے۔ کام باغ تک کوئی شخص نہیں آسکا۔ تم پہلے آدمی ہو کہ یہاں تک پہنچے اور اپنے مطلب میں کامیاب ہوئے۔ بس اب یہ کرو کہ یہ صندوقچی لو اور یہ پھلوں اور میووں کا ٹوکرا اٹھالو۔ یہ سب لئے ہوئے آگے بڑھو۔ سامنے نہر ملے گی۔ اس پر پُل بنا ہے۔ پُل پر سے ہوتے ہوئے داہنی طرف کو جانا۔ محلّہ قاضی ٹولہ میں پہنچ جاؤ گے۔ محلّہ قاضی ٹولہ میں حکیم صاحب کا خزانچی رہتا ہے۔ اسے یہ صندوقچی اور پھل وغیرہ دینا اور پھر جیسا وہ کہے ویسا کرنا۔ اللہ نے چاہا تو تم مغرب سے پہلے حکیم صاحب کی خدمت میں پہنچ جاؤ گے۔''

سند

باغبان کی یہ نصیحتیں سن کر امانت اللہ نے صندوقچی اور پھلوں کا ٹوکرا اٹھالیا، اور نہر کی طرف چل دیا۔ وہ قاضی ٹولہ پہنچا۔ خزانچی صاحب کا مکان پوچھتا ہوا ان کے گھر گیا۔ جا کر ان سے ملا۔ اس وقت خزانچی صاحب بیٹھے نوٹ گن رہے تھے۔ امانت اللہ نے جا کر سلام کیا اور صندوقچی اور پھل دے کر کہا۔ ''مجھے حکیم صاحب سے ملنا ہے، امید ہے کہ آپ میری مدد کریں گے۔''

خزانچی صاحب ناک پر سے عینک اُتارتے ہوئے بولے۔ ''میاں دو منٹ یہاں ٹھہر جاؤ، میں ذرا ایک کام کو ہو آؤں۔ پھر آپ کے ساتھ حکیم صاحب کے پاس چلتا ہوں۔'' اور یہ کہہ کر خزانچی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے، اور ہزاروں، لاکھوں روپیوں کے نوٹ اسی جگہ چھوڑ کر چلے گئے۔ امانت اللہ نے اتنے ڈھیروں نوٹ دیکھے تو شیطان نے بہکایا۔ ''ارے میاں امانت! کہاں حکیم وغیرہ کے چکر میں پڑے ہو۔ لو یہ نوٹ سمیٹو اور اپنا راستہ ناپو۔ عمر بھر چین سے کھاؤ گے۔ کارخانے وارخانے کو مارو گولی۔'' یعنی چوری کرنے کو جی چاہا۔'' سدّو میاں نے سوال کیا۔ چاچا میاں نے کہا۔ ''جی ہاں...... اس طرح شیطان نے بہکایا تو امانت اللہ توبہ توبہ کر ہی رہا تھا کہ خزانچی صاحب آ گئے۔ پوچھا۔ ''ارے میاں! توبہ توبہ کیا کر رہے ہو؟'' امانت اللہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ ''ان نوٹوں کو دیکھ کر میرا دل بے ایمانی سکھانے لگا تھا اسی لئے میں توبہ توبہ کرنے لگا۔ آپ جانتے ہیں کہ چوری کرنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ چور سے بہت ناخوش ہوتا ہے۔''

امانت اللہ کی اس بات سے خزانچی صاحب بہت خوش ہوئے بولے۔ ''دیکھو عصر کا وقت ہو گیا، چلو مسجد چلیں، نماز پڑھیں۔''

نماز پڑھ کر امانت اللہ خزانچی صاحب کے ساتھ حکیم صاحب سے ملنے

چلا، تھوڑی دیر میں دونوں حکیم صاحب کے مکان پر پہنچ گئے۔ خزانچی صاحب نے امانت اللہ کو حکیم صاحب سے ملایا۔ امانت اللہ نے حکیم صاحب کو ادب سے سلام کیا۔ پھر مصافحہ کر کے صندوقچی اور پھل پیش کئے۔ یہ تحفہ پا کر حکیم صاحب بہت خوش ہوئے۔ امانت اللہ کو گلے لگا لیا۔ اور فرمایا۔ ''تم جس وقت سے محنت پور میں داخل ہوئے ہو۔ تمہاری ساری باتوں کی خبر میرے آدمی دیتے رہے۔ اے نیک بخت لڑکے! تم یہاں آ کر ہمارے امتحان میں پورے اترے۔ لو، جو تم چاہتے ،تم نے مجھ سے ملنے سے پہلے حاصل کر لیا۔ اس صندوقچی میں تمہارے لئے سند موجود ہے۔

یہ کہہ کر حکیم صاحب نے صندوقچی کی کنجی اپنی جیب سے نکالی۔ صندوقچی کا قفل کھولا۔ اس کا ڈھکنا اٹھایا۔ پھر اس کے اندر سے نہایت خوب صورت کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا۔ یہ کاغذ بالکل ایسا تھا جیسے اسکولوں میں سند دی جاتی ہے۔ یہ سند امانت اللہ کو دی اور کہا پڑھو۔ اس میں کیا لکھا ہے؟''

امانت اللہ نے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا:

''اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ سے ڈرو، اور لگاتار محنت کرو۔ یہی تین باتیں انسان کو ہر جگہ کامیاب بناتی ہیں۔''

حکیم صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا کہ یہ سند امانت اللہ میاں کے لئے

ہے۔ اور پھر اپنے دستخط کر دیئے۔ یہ سند پا کر امانت اللہ میاں بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد تین دن حکیم صاحب کے مہمان رہے۔ چوتھے دن حکیم صاحب نے انھیں رخصت کرتے وقت پوچھا۔ ''امانت اللہ میاں! تم اور کچھ چاہتے ہو تو کہو۔ اگر ہمارے بس میں ہو گا تو تمہارا کہنا نہیں ٹالیں گے۔''

امانت اللہ میاں نے کہا۔ ''حکیم صاحب! میں چاہتا ہوں کہ آپ ان لڑکوں کی خطائیں معاف کر دیں جو یہاں مرغا بنا دیئے گئے ہیں۔ انھیں کافی سزا مل چکی۔ امید ہے کہ اب وہ نیک بن جائیں گے۔''

امانت اللہ میاں کے کہنے سے حکیم صاحب نے وہ سارے مرغ منگوائے۔ اُن کی طرف دیکھا، اور پھر پکار کر بولے۔ ''سب کی خطا معاف۔ اپنے اپنے کان چھوڑ دو۔ اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔'' حکیم صاحب کے یہ کہتے ہی مرغا بنے ہوئے لڑکوں نے اپنے اپنے کان چھوڑ دیئے، اور سیدھے کھڑے ہو گئے۔ حکیم صاحب نے سب کو نصیحت کی اور امانت اللہ میاں کی طرح رہنے سہنے کی تاکید فرمائی۔ سب لڑکوں نے سچے دل سے توبہ کی اور کہا:

''اب ہم کبھی بے ایمانی نہ کریں گے۔ ہر کام محنت سے کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے۔''

لڑکوں سے یہ سنا تو امانت اللہ میاں نے حکیم صاحب سے کہا۔ ''جناب! یہ لڑکے سچے دل سے توبہ کر رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب آپ انھیں بھی سند عطا فرمائیں تو یہ سب بھی مٹھائی کے کارخانے میں کام کرسکیں گے۔''

امانت اللہ میاں نے اس طرح سفارش کی تو حکیم صاحب مسکرا دیئے۔ اور ان سب لڑکوں کو بھی سند عنایت فرمائی۔

اس کے بعد ان سب لڑکوں کو لے کر امانت اللہ میاں خوش خوش لوٹے۔ سب اپنے اپنے گھر گئے۔ اور کہتے ہیں کہ اس کے تیسرے دن مٹھائی کا کارخانہ چالو ہو گیا۔ اور پھر اس کی خوب ترقی ہوئی۔ پھر جیسے دن ان سب کے گذرے، خدا کرے اسی طرح سب کے گذریں۔

اِدھر کہانی ختم ہوئی اور اُدھر ہم سب اپنے اپنے بستر میں جا کر گھس گئے۔ اور یہ سوچتے سوچتے سو گئے کہ ہم بھی اللہ پر بھروسہ کریں گے۔ اللہ سے ڈریں گے، اور محنت سے ہر کام کریں گے۔



تین پُتلے

ایک تھا بادشاہ۔ اس کا تھا ایک وزیر۔ وزیر بڑا سمجھ دار تھا۔ اس وزیر کے زمانے میں بادشاہ کی سلطنت میں بڑی ترقی ہوئی۔ پھر وزیر بیمار پڑا۔ بہت کچھ دوا علاج ہوا۔ لیکن وزیر اچھا نہ ہوسکا۔ بادشاہ کو بڑی فکر ہوئی کہ اب ایسا وزیر نہ مل سکے گا۔ بادشاہ نے وزیر سے پوچھا۔ ''آپ کے بعد میں وزیر کس کو بناؤں؟''

بادشاہ کے یہ پوچھنے پر وزیر نے بادشاہ کو تین پُتلے دیئے۔ تینوں پُتلے ہر بات میں یکساں تھے۔ قد میں برابر تھے۔ موٹائی میں برابر تھے۔ رنگ بھی سب کے یکساں تھے۔ تینوں پُتلوں کے ہاتھوں، پیروں میں بھی کوئی فرق نہ تھا۔ کان، ناک، آنکھیں بھی سب کی ایک ہی طرح کی تھیں۔ بال برابر بھی تو کوئی چھوٹا بڑا نہ تھا۔ تول میں بھی سب پُتلے برابر تھے۔ وزیر نے بادشاہ سے کہا۔ ''یہ تینوں پُتلے ہیں تو بالکل یکساں۔ لیکن تینوں میں ایک بڑا فرق ہے جو آدمی اس فرق کو بتا دے اسی کو آپ میرا وزیر بنائیے۔'' اس کے بعد وزیر نے بادشاہ کے کان میں بتا دیا کہ ان تینوں پُتلوں میں سب سے اچھا پُتلا کون سا ہے۔ اور

دوسرے نمبر کا کون سا اور سب سے خراب کون سا ہے۔ بادشاہ نے وزیر سے پُتلے لے کر رکھ لئے۔ جب وزیر مر گیا تو بادشاہ نے تینوں پُتلے ایک اونچے چبوترے پر رکھوا دیئے۔ اور ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جو آدمی ان تینوں میں اول نمبر، دوم نمبر اور سوم نمبر کا پُتلا بتا دے گا۔ اسے میں اپنا وزیر بنا لوں گا۔''

بادشاہ کا اعلان ہوا تو وزیر بننے کے لالچ میں لوگ دوڑ پڑے۔ لوگ آتے، پُتلوں کو دیکھتے۔ پُتلوں کی ناپ تول کرتے۔ رنگ روپ جانچتے لیکن کچھ فرق نہ پاتے تو پریشان ہو کر چلے جاتے۔

اس طرح بہت دن ہو گئے۔ کوئی پُتلوں کو پرکھ نہ سکا۔ جو آکر دیکھتا یہی کہتا۔ کہ یہ تو بالکل یکساں ہیں۔ ان میں بال برابر فرق نہیں۔ اب دیکھئے اللہ کی قدرت وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کا مرتبہ بڑھانا چاہتا ہے اسے سوجھ بوجھ دے دیتا ہے اور پھر ایسا آدمی بڑی مشکل بات کو بھی آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ ایک آدمی ادھر آ نکلا۔ بادشاہ کا اعلان وہ بھی سن چکا تھا۔ اس نے پُتلوں کو تولا۔ تینوں پُتلے برابر کے نکلے۔ اب اس نے انھیں ناپا۔ ہاتھ پیر، آنکھ، کان، ناک وغیرہ سب کچھ ایک ایک کر کے ناپ ڈالا۔ ناپ میں بھی برابر پایا۔ رنگ روپ جانچا۔ اس میں بھی فرق نہ پایا۔ اس نے پُتلوں کو تو

رکھ دیا اور سوچنے لگا کہ جب یہ پتلے ہر بات میں برابر ہیں تو پھر کیا فرق ہوسکتا ہے؟

اچانک اس کی نگاہ ایک پُتلے کے کان پر پڑی۔ پُتلے کے کان میں ایک سوراخ تھا۔ اس نے دوسرے پُتلوں کو دیکھا۔ ان کے کانوں میں بھی سوراخ تھا اور یہ سوراخ بھی برابر تھے۔ اب آدمی پریشان ہو گیا۔ وہ پُتلوں کو رکھ کر جانے ہی والا تھا کہ اچانک اللہ نے اس کے دل میں ایک بات ڈالی۔ اس نے ایک پُتلے کے کان میں منہ سے پھونکا۔ دوسرے پُتلے کے کان میں پھونکا۔ تیسرے پُتلے کے کان میں پھونکا اور پھر وہ خوشی کے مارے اُچھل پڑا۔ اس نے پہرے داروں سے کہا۔

میں سمجھ گیا ہوں کہ ان پُتلوں میں کیا فرق ہے۔ تم بادشاہ سے جا کر کہو کہ ایک آدمی آیا ہے۔ وہ بتائے گا کہ ان پُتلوں میں سب سے زیادہ اچھا سب سے زیادہ قیمتی اور اول نمبر کا پُتلا کون سا ہے اور دوسرے نمبر کا کون سا ہے اور تینوں میں سب سے زیادہ گھٹیا کون ہے۔''

پہرے دار دوڑے ہوئے بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ نے جھٹ دربار کرنے کا حکم دیا اور اس آدمی کو بلا بھیجا۔ اب وہ پُتلے اور وہ آدمی اور وہ سنتری دربار کی طرف چلے۔ دوسرے لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک آدمی ان پُتلوں کا فرق

بتائے گا تو بہت سے لوگ بھی ساتھ چلے۔

سپاہیوں نے اس آدمی اور پُتلوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔

بادشاہ نے اس آدمی سے پوچھا۔

''کیوں میاں! تم بتا سکتے ہو کہ ان پُتلوں میں کیا فرق ہے؟''

اس آدمی نے جواب دیا۔ ''انشاء اللہ! اگر اللہ نے چاہا تو میں نے جو کچھ سمجھا ہے وہ بالکل ٹھیک ہوگا۔'' بادشاہ نے حکم دیا۔ ''اچھا بتاؤ!''

بادشاہ کا حکم پا کر اس آدمی نے ایک پُتلا اٹھایا۔ اس کے کان میں منہ سے پھونکا۔ اور بتایا۔ ''حضور! یہ پُتلا تینوں پُتلوں میں اوّل نمبر کا ہے۔ بڑا ہی قیمتی ہے۔ اگر اسے ہیروں سے تولا جائے تو بھی اس کی قیمت کم ہے۔''

بادشاہ نے پوچھا۔ ''اُس پُتلے میں کیا اچھائی ہے؟'' اس آدمی نے جواب دیا: ''دیکھئے حضور! میں نے اس پُتلے کے کان میں پھونکا تو میری پھونک اس کے پیٹ میں چلی گئی۔''

بادشاہ نے پھر پوچھا۔ ''تو بھائی یہ کیا اچھائی کی بات ہوئی؟''

آدمی نے کہا۔ ''حضور! یہی تو قیمتی بات ہے۔ یہ پُتلا اس آدمی کی طرح ہے جس سے کوئی بھید کی بات کہئے تو پیٹ میں رکھ لیتا ہے اور کسی سے نہیں کہتا۔ حضور! جو آدمی دوسرے کا بھید کسی سے نہیں کہتا۔ وہ تو سب سے اول نمبر کا آدمی

ہوتا ہے۔ ایسے آدمی کی سب عزت کرتے ہیں۔ اچھے بادشاہ ایسے آدمی کو اپنا بھیدی بناتے ہیں اور بڑی سے بڑی تنخواہ دیتے ہیں۔''

اس جواب سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ پوچھا۔ ''اچھا دوسرے نمبر کا پُتلا کون سا ہے؟ اس آدمی نے دوسرا پُتلا اٹھایا۔ اس کے کان میں پھونکا تو پھونک اس کان سے اس کان میں ہو کر نکل گئی۔ اس آدمی نے کہا۔ ''حضور! یہ دوسرے نمبر کا پتلا ہے۔ یہ پُتلا اس آدمی کی طرح ہے جو بات کو اِس کان سے سنتا ہے اُس کان سے اڑا دیتا ہے۔ ایسے آدمی سے نہ نقصان کا ڈر ہوتا ہے نہ اس سے کوئی فائدہ ہی ہوتا ہے۔ اس کو کسی کام پر لگا دو تو بس تیلی کے بیل کی طرح جتا رہتا ہے۔ اس کی کوئی قیمت مقرر نہیں۔ جو چاہو دے دو وہی اس کے لئے بہت ہے۔''

بادشاہ اس جواب سے بھی بہت خوش ہوا۔ اور پوچھا۔ ''اچھا اب تیسرے پُتلے کے بارے میں بتاؤ اس میں کیا بات ہے؟''

اس آدمی نے تیسرا پُتلا اٹھایا۔ اس کے کان میں پھونکا تو پھونک کان میں ہوتی ہوئی اس کے منہ سے نکل گئی۔ آدمی نے کہا۔ ''حضور! یہ پُتلا دو کوڑی کا بھی نہیں۔ یہ پُتلا اس خراب آدمی کی طرح ہے جس سے کوئی بھید کی بات کہئے تو جھٹ دوسروں سے کہہ دیتا ہے۔ جہاں کوئی بات سنتا ہے، بس لے جا نیچے پر رکھے

ہر ایک سے کہتا رہتا ہے۔ ایسا آدمی جھگڑے کی جڑ ہوتا ہے۔ ایسے آدمی کو اگر بھیدی بنائیے تو وہ بھید کو چھپا نہیں سکتا اور پھر اس سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ ایک کو دوسرے سے لڑا دیتا ہے۔ کسی کی عزت و آبرو کا اسے ذرا بھی دھیان نہیں رہتا۔

بادشاہ اس جواب سے بھی بہت ہی خوش ہوا۔ اس نے اس آدمی سے پوچھا۔ ''میاں! یہ بتاؤ تمہاری سمجھ میں یہ بات کیسے آ گئی۔ بڑے بڑے سمجھ دار لوگوں نے ان پُتلوں کو دیکھا، جانچا، پرکھا۔ کوئی نہ سمجھ سکا۔ تم نے کیسے سمجھ لیا؟''

اس آدمی نے کہا۔ حضور! یہ سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی کے دل میں نہ ڈالے تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا اور جو آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کس طرح یہ باتیں میری سمجھ میں آئیں تو حضور! سچی بات یہ ہے کہ میں بھی پُتلوں کو جانچتے اور پرکھتے پریشان ہو گیا تھا۔ اور انھیں رکھ کر جانے والا تھا کہ اچانک مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بچپن کی ایک بات یاد آ گئی اور پھر پُتلوں کا بھید سمجھنا اللہ نے میرے لئے آسان کر دیا۔''

''وہ کیا؟'' بادشاہ نے پوچھا۔

اس آدمی نے بتایا کہ ایک بار حضرت انس رضی اللہ عنہ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ اتنے میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور

انھیں سلام کیا۔ پھر اپنی کسی ضرورت سے کہیں بھیجا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، کو اس کام میں زیادہ وقت لگا۔

پھر جب وہ اپنی ماں کے پاس گئے تو ماں نے کہا۔ ''اتنی دیر تک کہاں رہے؟'' بتایا کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضرورت سے بھیجا تھا۔ بولیں۔ ''کیا ضرورت تھی؟''

جواب دیا کہ ''وہ ایک بھید ہے۔''

اُن کی ماں نے کہا۔ ''دیکھ بیٹے! پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھید کسی کو نہ بتانا۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ، کی یہ بات سنا کر اس آدمی نے بادشاہ سے کہا۔ ''حضور! جب سے میں نے یہ بات پڑھی ہے تب سے میں سمجھتا ہوں کہ بھید کا چھپانا بڑی قیمتی بات ہے اور بھید کا کھول دینا دو کوڑی کی بات ہے۔ مجھے یہی بات یاد آ گئی اور پھر اللہ نے میرے لئے ان پُتلوں کو سمجھنا آسان کر دیا۔

بادشاہ نے کہا۔ ''سچ مچ ان پُتلوں میں یہی فرق ہے۔'' اس کے بعد بادشاہ نے اس آدمی کو اپنا وزیر بنا لیا۔



بے ایمان بیوپاری

ایک ہے بیوپاری۔ وہ بیوپاری ابھی زندہ ہے۔ وہ کان پور میں رہتا ہے۔ بڑا مال دار بیوپاری ہے۔ تجارت کا قیمتی سے قیمتی مال باہر سے منگاتا ہے۔ بڑی دور سے منگاتا ہے۔ اس کی تجوریوں میں روپیہ بھرا ہے۔ لیکن اس کا لالچ کم نہیں ہوتا ہے۔ لوگوں کو دھوکا دے کر جھوٹ بول کر اور جس طرح چاہتا ہے ٹھگتا رہتا ہے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ اس نے ہلدوانی سے ''کاجو'' کا سودا کیا۔ اس نے ایک لاکھ روپئے کے کاجو خریدے۔ کاجو ایک ٹرک پر لادے۔ ٹرک کو ترپال سے ڈھک دیا۔ ترپال سے اس لئے ڈھکا کہ برسات کے دن تھے۔ پھر بیوپاری یہ بھی چاہتا تھا کہ راستے میں کوئی دیکھے نہیں۔

اچھا، وہ ایک لاکھ کے کاجو لے کر کان پور کو چلا۔ ہلدوانی سے کان پور آنے میں بڑے بڑے شہر پڑتے ہیں۔ رام پور پڑتا ہے، شاہجہاں پور بھی اسی راستے میں ہے اور ہردوئی اور لکھنؤ بھی ان سب جگہوں کے ناکوں پر چنگی

وصول کرنے کا انتظام ہے۔ بیوپاری لالچی تو تھا ہی۔ اس نے سوچا کہ ایسی ترکیب کرنا چاہئے کہ چنگی نہ پڑے اور پڑے بھی تو بہت کم۔ اس نے حساب لگایا تو کاجو پر چنگی کا محصول دو ہزار روپیہ ہوا۔ بھلا لالچی آدمی دو ہزار روپئے کیسے دے سکتا تھا۔ تو اس نے کیا یہ کہ ہرنا کے پر چنگی والوں کو بتایا کہ ٹرک میں تارکول ہے۔

اس طرح ہلدوانی سے لکھنؤ تک ٹرک آیا۔ لکھنؤ سے کان پور تھوڑی ہی دور پر ہے۔ یہاں ٹرک کو چالو کیا اور خود لکھنؤ ٹھہر گیا اور وہاں کے بیوپاریوں سے کاجو بیچنے کی بات کرنے لگا۔ اس کے بعد کان پور پہنچا تو دیکھا کہ ٹرک سے تارکول اتر رہا ہے۔ مگر اب وہ کر ہی کیا سکتا ہے۔ راستے بھر بتاتا آیا تھا کہ ٹرک پر تارکول لدا ہے۔ اب اگر ڈرائیور پر یا کسی اور پر مقدمہ چلائے تو جھوٹا بنے گا۔ جھوٹ اور دھوکے بازی کی سزا پوری کی پوری تو آخرت میں ہوگی۔ جب سب لوگ اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے اور وہاں سب سے ان کے کاموں کا حساب لیا جائے گا۔ لیکن کبھی کبھی اس دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے۔ جیسے کان پور کے دھوکے باز اور جھوٹے بیوپاری کو ملی۔

☆☆☆